ڈاکٹر عباس علی خان لمعہ کے نام علامہ اقبال کے خطوط (جن کی تعداد اقبال نامہ حصہ...... (از شیخ عطاء اللہ) میں ۲۹ ہے)۔ یا کم از کم اُن میں سے بعض خطوط ایک عرصے سے متنازع فیہ رہے ہیں۔ مثلاً جناب رفیع الدین ہاشمی اپنی کتاب خطوط اقبال (مکتبہ خیابانِ ادب، لاہور، ۱۹۷۶ء) میں لکھتے ہیں: (ص ۴۵)

''......جن خطوط کے بارے میں ابہام پایا جاتا ہے یا وہ مشکوک ہیں۔ مثلاً لمعہ حیدرآبادی کے نام کے بارے میں ڈاکٹر تاثیر مرحوم اور سید عبدالواحد کا خیال ہے کہ وہ جعلی ہیں۔ محققین اقبال پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ابہام یا شک کو رفع کریں۔ (اگر) فی الواقع وہ خطوط جعلی ہیں تو انھیں مکاتیب اقبال سے خارج کر دیا جائے......''

یہاں میں یہ اضافہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اپنے دورۂ حیدرآباد دکن (۱۹۸۴ء) کے دوران میں نے وہاں کے مشہور اخبار سیاست میں اس بارے میں چند مضامین پڑھے تھے۔ جن میں بعض لکھنے والوں نے ان مذکورہ خطوط کے جعلی ہونے اور بعضوں نے ان کے مستند ہونے کی حمایت کی تھی۔

۱۹۹۰ء کے عشرے کے دوران میں لندن میں اپنے دیرینہ کرم فرما جناب عزیز الدین احمد کے توسط سے (جو خود بھی حیدرآباد کے ایک ممتاز علمی خانوادے کے رُکن ہیں) وہاں کے ایک قدیمی نوابی خاندان کے ستون، جناب میر یٰسین علی خان صاحب، سے اکثر ملا کرتا تھا۔ میر صاحب ایک بہت ہی نستعلیق، خوش خلق اور مخیّر انسان تھے اور نہ صرف ہماری بہت پر تکلف مہمان نوازی فرماتے تھے، بلکہ حیدرآباد دکن کے قدیم علمی و ادبی ماحول کے بارے میں بھی بڑی بصیرت افروز معلومات بہم پہنچایا کرتے تھے۔ تابستان ۱۹۹۶ء میں قریب ۸۸ سال کی عمر میں جنابِ موصوف کا (لندن میں) انتقال ہوگیا۔ انا اللّٰہ و اِنا الیہ راجعون۔

میر یٰسین علی خان صاحب سے اکثر علامہ اقبال کے بارے میں میری گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ انھوں نے فرمایا کہ وہ لمعہ حیدرآبادی سے اچھی طرح واقف تھے۔ میں نے درخواست کی کہ کیوں نہ آپ اُن کے بارے میں ایک مضمون لکھ دیں کہ بہت سے اقبال شناس اس معاملے میں بہت متجسس ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصے بعد میر صاحب قبلہ نے ایک مضمون واقعی لکھ دیا۔ جو جناب عزیز احمد نے اپنی خوش خط تحریر میں میرے لیے نقل کر کے میرے حوالے کر دیا (یہ ۱۹۹۴ء کی بات ہے)۔ لیکن انھوں نے بتایا کہ میر صاحب نے شرط یہ لگائی ہے کہ میں یہ خطوط موصوف کی وفات کے بعد شائع کروں۔ چنانچہ اب کہ وہ انتقال فرما چکے ہیں، میں جناب ڈاکٹر اکبر حیدری کے نئے مجلّے حکیم الامت میں اسے اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں۔

جناب میر یٰسین علی خان صاحب مرحوم کے بارے میں چند سطور یہاں شاید بے محل نہ ہوں۔ میر صاحب موصوف علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے اور اُن کی بیگم صاحبہ مرحومہ نے جن کا نام ڈاکٹر زبیدہ یزدانی تھا آکسفورڈ یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی تھی۔ میر صاحب (جن کی پیدائش ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ تھی) ہمیں بتایا

کرتے تھے کہ انھوں نے علامہ شبلی نعمانی کو چار سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ بلکہ مولانا شبلی ہی نے انھیں بسم اللہ پڑھائی تھی۔ حیدر آباد میں قیام کے دوران مولانا شبلی نے میر صاحب کے آبائی مکان کے قریب ہی ایک مکان کرائے پر لے رکھا تھا۔ میر صاحب کے دادا نواب میر حسن علی خان امیر (جو حضرت داغ دہلوی کے شاگرد تھے) اُن دنوں حیات تھے۔ مولانا گرامی جالندھری (استاذِ نظام، میر محبوب علی خان بالقابہ) کا بھی نواب صاحب کے گھر میں بہت آنا جانا رہتا تھا۔ میر صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں بچپن میں مولانا گرامی کی پیٹھ پر سوار ہو کر اُنھیں گھوڑے کی طرح چلاتا تھا۔ اور ساتھ ساتھ کہتا تھا کہ اپنے وہ شعر پڑھیے جن میں ہے:

نیمے　دروں　نیمے　بروں، 　بروں، 　بروں!!

میں نے مارچ ۱۹۹۰ء میں میر صاحب کے گھر پر ایک خط کی عکسی نقل دیکھی تھی جو بظاہر علامہ اقبال کا لکھا ہوا تھا۔ عباس علی لمعہ صاحب کے نام۔ لیکن جملے کی ساخت سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس میں تحریف کی گئی ہے۔ میرے ایک نوٹ (مورخہ ۱۴ / مئی ۱۹۹۰ء) کے مطابق یہ خط سیاست اخبار میں شائع ہوا تھا، جو میر صاحب نے مجھے دکھایا تھا۔ اُس نوٹ میں مَیں نے تحریر کیا تھا:

''......یہی خط میں نے میر لئیق علی خاں صاحب کے گھر پر، اخبار سیاست حیدر آباد دکن کی اشاعت میں، مارچ ۱۹۹۰ء میں دیکھا تھا۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ لمعہ صاحب نے اقبال کے فقرے میں تحریف (Doctoring) کر دی ہے اور ''شعر کہنے کی تکلیف نہ کریں'' کو ''تکلیف ضرور کریں'' بنا دیا ہے۔ ہاں، آج (مورخہ ۹/ جنوری ۲۰۰۷ء) جناب محمد عبداللہ قریشی کی کتاب روح مکاتیب اقبال (اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۷ء) میں پڑتال (Check) کرنے پر معلوم ہوا کہ علامہ کے خط مورخہ ۳۰/ جون ۱۹۳۳ء میں یوں تحریر ہے (ص: ۴۶۴): ''میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ آپ شعر و سخن میں اپنا وقت عزیز ضرور صرف کریں''۔ (اس فقرکی ساخت بھی توجہ طلب ہے۔ دُرّانی) پھر اُسی کتاب میں ص ۴۶۷ پر (خط مورخہ ۶/ جولائی ۱۹۳۳ء) پہلا فقرہ یوں نظر آتا ہے: ''میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا آپ شعر و شاعری کا مشغلہ ترک نہ کریں......''

ان سطور کے خامے سے پہلے ایک آخری چیز کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ جناب میر لئیق علی خان صاحب کے پاس نظامِ دکن کی ''کنگ کوٹھی'' سے فوٹو کاپی کیے ہوئے کاغذات اور شاہی فرمانوں وغیرہ کا ایک انبار تھا جو لوہے کے کئی ٹرنکوں میں بند تھا (اور اب بھی اُن کے صاحب زادوں حسن اور حسین کے پاس لندن میں ہونا چاہیے)۔ ان میں سے بعض فائلوں کی فوٹو کاپیاں بنوا کر میں نے بھی اپنے پاس محفوظ کر لی تھیں۔ مثال کے طور پر، ان میں اُن سب شعرا اور ادبا کے بارے میں تفصیلات درج تھیں جنھیں شاہی خزانے سے وظائف ملا کرتے تھے۔ ایک بالخصوص دلچسپ فائل وہ تھی جس میں جناب جوش ملیح آبادی کے ریاست

بدر کرنے کے احکام اور حضرِ نظام کے دست خاص سے محررہ Remarks ثبت تھے۔ جن کی تفصیل میں کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھتا ہوں۔ فی الحال، میں قارئین حکیم الامت اور میر یٰسین علی خان صاحب کے درمیان مزید حائل نہیں ہونا چاہتا اور جناب لمعہ کے بارے میں اُن کا ۱۹۹۴ء کا تحریر کیا ہوا مضمون پیش کرتا ہوں۔

فقط بندۂ فانی، سعید اختر دُرّانی۔ برمنگھم، ۹؍جنوری ۲۰۰۷ء

عباس علی لمعہ

(از میر یٰسین علی خان)

جناب عباس علی لمعہ سے میری پہلی ملاقات اُن کے بھانجے عبداللطیف صاحب کے گھر پر حیدرآباد دکن میں ہوئی، جو محکمہ انکم ٹیکس میں میرے ساتھی تھے۔ یہ بات غالباً ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۳ء کی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، لمعہ صاحب سی-پی و برار میں کہیں رہا کرتے تھے اور کبھی اُن کا قیام جالنہ میں ہوا کرتا تھا جو ریاست حیدرآباد کے ضلع اورنگ آباد کا تعلقہ تھا۔ جب کبھی لمعہ صاحب حیدرآباد آتے، اپنے دورانِ قیام میں دو تین مرتبہ میرے گھر تشریف لایا کرتے اور اپنا اُردو اور فارسی کلام ضرور سنایا کرتے اور تعریف سے بہت خوش نظر آتے۔ اُن سے میری ملاقاتیں ۱۹۴۹ء تک جاری رہیں۔ رفتہ رفتہ وہ کھلتے گئے اور اپنے خانگی حالات کے ضمن میں مجھے بتلایا کہ اُن کی آبائی زرعی زمینات کے تعلق سے عدالتوں میں مقدمات چل رہے ہیں، جس کی وجہ سے اُن کو کافی گھومتے رہنا پڑتا ہے۔

۱۹۴۸ء میں میرا تبادلہ اورنگ آباد میں بحیثیت انکم ٹیکس آفیسر ہوا۔ اس وقت جناب صدق جائسی، جو ایک اعلیٰ وق کے انسان اور ایک اچھے شاعر تھے، جن کی کتاب دربارِ دُربار بہت مشہور ہوئی وہ بھی بحیثیت مدرس اورنگ آباد میں مقیم تھے۔ صدق جائسی صاحب کے پاس شعر خوانی کی محفلیں جمتی تھیں۔ وہاں بعض دفعہ لمعہ صاحب بھی آجایا کرتے تھے اور مجھ سے ملاقات کی تجدید ہو جایا کرتی تھی۔

لمعہ صاحب کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں اکثر بمبئی بھی جانا پڑتا تھا۔ بمبئی کا ذکر کرتے ہوئے لمعہ صاحب نے ایک دلچسپ بات مجھے یہ بتلائی کہ رابند ناتھ ٹیگور جب کبھی بمبئی آتے تو نے پین سی روڈ (Napean Sea Road) کے ساحل پر تفریح کے لیے ضرور آتے۔ ایک دن لمعہ صاحب ٹیگور کی کتاب گیتا نجلی اپنے سینے پر کھلی رکھ کر سمندر کے کنارے آنکھیں بند کیے لیٹے ہوئے تھے۔ ٹیگور نے قریب سے گذرتے ہوئے انھیں اس حالت میں دیکھا تو جگا کر بڑی شفقت سے باتیں کیں۔ بس اس روز سے، بقولِ لمعہ صاحب کے، اُن کی دوستی اور شناسائی کی ابتدا گرودیو ٹیگور سے ہوگئی اور مابعد خط و کتابت بھی ہونے لگی۔

اقبال سے اُن کے تعارف یا خط و کتابت کا کوئی ذکر کبھی کبھی مجھ سے لمعہ صاحب نے نہیں کیا اور نہ کسی اور ذریعہ سے مجھے یہ بات معلوم ہو سکی کہ وہ اقبال کے شاگرد یا دوست ہیں، یا مرسل الیہ، لمعہ صاحب نے مجھ سے کبھی محترمہ عطیہ فیضی سے اُن کی ملاقات اور ان کی محفل میں اقبال کی تشریف آوری اور لمعہ صاحب کا تعارف (جیسا کہ رحمانی صاحب[۱] نے تحریر فرمایا ہے) اس کا ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا میرے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ علامہ اقبال سے اُن کے کیا تعلقات رہے ہیں۔ البتہ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ لمعہ صاحب کا رجحان میں نے یہ پایا کہ کسی طرح معروف و مشہور ادبی شخصیتوں سے تعلق قائم کیا جائے۔ چنانچہ میں نے اُن کی خواہش کے بموجب تاریخ کے مشہور پروفیسر جناب ہارون خان شیروانی صاحب (پدما بھوشن) اور آثارِ قدیمہ کے ناظم جناب غلام یزدانی صاحب[۲] مرحوم (پدما بھوشن OBE) سے اُن کا تعارف کروایا تو لمعہ صاحب نے اپنی ٹیگور سے خط و کتابت کا ذکر کرتے ہوئے ٹیگور کا اُن کے نام لکھا ہوا خط، جو اُن کو زبانی یاد تھا، شروع سے آخر تک سنا ڈالا۔ ان دونوں حضرات نے خط سننے کے بعد کسی رائے کا اظہار کیے بغیر یک گونہ خاموشی اختیار کر لی۔ اس طرح یہ ملاقات ختم ہو گئی۔ لمعہ صاحب کے جانے کے بعد میں نے ہمت کر کے ان بزرگوں سے پوچھا کہ آپ ن لمعہ صاحب سے گفتگو یکدم ختم کر دی، اس کی کیا وجہ تھی۔ تو مجھے یہ جواب ملا کہ جو شخص ٹیگور کا خط زبانی یاد کر کے سناتا پھر اس کے پاس گفتگو کے لیے اور کیا تھا۔

اب میں پروفیسر رحمانی صاحب کے اس مضمون کے تعلق سے جس میں انھوں نے ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے حوالے[۳] سے لمعہ اور اقبال کی دوستی کی اہمیت کا ذکر کیا ہے یہ عرض کروں گا کہ جگن ناتھ آزاد، عبدالقوی دسنوی، ڈاکٹر محمد دین تاثیر اور سید عبدالواحد معینی کی اس رائے سے کہ لمعہ کے نام اقبال کے خطوط جعلی ہیں، میں قطعی طور پر اپنی کوئی رائے اس لیے نہیں دے سکتا کہ علامہ کی دستی تحریر یا اس کی فوٹو کاپی کسی نے بھی اب تک نہیں پیش کی ہے، جس کو بنیاد بنا کر کوئی تصفیہ کیا جا سکے کہ یہ خطوط اصلی ہیں یا نہیں۔ اس کے علاوہ لمعہ صاحب کا وہ کلام جو اقبال کا دیکھا ہوا اور اس پر اصلاحیں دی ہوئی بیان کیا گیا ہے، اس کے متعلق یہ بتلایا گیا ہے کہ اصلی کاغذات تو نہیں مل سکے لیکن لمعہ حیدر آبادی نے اپنے اور دوسروں کے ہاتھوں جو نقل کروایا تھا، وہ کاغذات حاصل ہو گئے ہیں۔ یعنی یہ کاغذات بھی اصل نہیں ہیں۔ تو پھر کسی معتبر ثبوت کا مہیا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

جگن ناتھ آزاد، عبدالقوی دسنوی، ڈاکٹر محمد دین تاثیر اور عبدالواحد معینی اقبال شناسوں کے ایسے نام ہیں جن کی تحریر کو کسی طرح نظر انداز اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اقبال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط پیش نہ کیے جائیں کیونکہ اقبال کا نیم شکستہ خط بہ آسانی پہچانا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں یہ بات ایک قصۂ پارینہ ہو چکی ہے۔ اس واسطے میرا ناچیز مشورہ پروفیسر اکبر رحمانی کو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ لمعہ اور اقبال کے تعلق سے

جو مواد ان کو دستیاب ہو چکا ہے، جسے وہ مصدقہ سمجھتے ہیں معترضین کو بیچ میں لائے بغیر پیش فرمائیں تاکہ کوئی بے مزا معرکہ کھڑا نہ ہونے پائے۔

اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ لعمہ تخلص کرنے والے ایک بزرگ شاعر سید نوزش علی موسوی حیدر آباد میں رہتے تھے جو میرا دادا نواب میر حسن علی خان امیر شاگردِ داغ کے دوست تھے اور اُن کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ سید نوازش علی موسوی لمعہ فارسی اور اُردو کے گراں قدر شاعر اور بڑے عالم تھے۔ اُن کے خاندان کے ایک گراں قدر فارسی گو شاعر جناب برق موسوی سے بزمِ سعدی (فارسی) کی شگفتہ محفلوں میں میری ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ حیدر آباد کی بزمِ سعدی کی محفلوں میں اس وقت کے ایرانی سفرا بھی شرکت فرمایا کرتے تھے اور ان کے سفارت خانے میں بھی بزمِ سعدی کی مجلسیں منعقد کی جاتی تھیں جن میں شہر حیدر آباد کے علما، پروفیسر اور صاحب ذوق حضرات کافی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ بزمِ سعدی کے اُس وقت کے سکرٹری جناب قمر ساحری تھے جو اب کراچی میں پروفیسر قمر ساحری کے نام سے ادبی اور علمی مشاغل میں مصروف ہیں۔ ۲۶ رجولائی ۱۹۹۴ء (لندن)

۱- جناب اکبر رحمانی کی طرف اشارہ ہے۔

۲- میر یٰسین علی خاں کے خسر محترم تھے۔

۳- ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اپنی کتاب اقبال کی صحبت میں (مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۷ء) میں لکھتے ہیں (صفحہ ۳۹۴)
''مجھے علامہ کے ہاں لمعہ کی نظموں کا ایک مجموعہ ملا تھا۔ جس پر ۲۲ رجنوری ۱۹۳۴ء کی تاریخ درج ہے۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۳۲ء سے بھی پہلے ان صاحب نے علامہ کے ساتھ مراسلت و مکاتبت شروع کر دی ہوگی......'' (دُرّانی)